مطبوعات

تاریخِ اسلام حصّہ اوّل و دوم | مصنف: مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی۔ ناشر نفیس اکیڈمی کراچی

قیمت فی حصّہ ۱۲ روپے۔

مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کی تاریخ اسلام اس سے پہلے صوفی لمٹڈ پنڈی بہاؤالدین سے ۱۳۴۳ھ شائع ہوئی تھی۔ اور خاصی مقبول بھی ہوئی۔ اب اکتوبر ۱۹۵۶ء میں محمد اقبال سلیم گاہندری نے اسے شائع کیا ہے۔ تاریخ کی ایسی کتابیں تجارتی فائدوں کے علاوہ محققین کے لیے بھی مفید ہوتی ہیں ان سے پورا پورا فائدہ اس وقت تک نہیں اٹھایا جا سکتا جب تک آخر میں اسماء الرجال اور اماکن کے اشاریے نہ ہوں۔ مولانا اکبر شاہ خاں کو ہندوستانی مورخوں میں خاصا مقام حاصل ہے۔ ان کی کتاب ضخامت اور محتاط نقطۂ نظر کی وجہ سے اس قابل تھی کہ اسے ایک REFERENCE BOOK کے طور پر شائع کیا جاتا۔ بلکہ اگر بعض مقامات پر فٹ نوٹوں میں توضیحی اشارے اور بعض مشکوک مقامات پر حواشی بھی شریک کر دیے جاتے تو کتاب عام پڑھنے والوں کے علاوہ محققین کے لیے بھی بڑی مفید ثابت ہوتی۔ موجودہ صورت میں بھی ڈیڑھ ہزار صفحے کی اس کتاب کا شائع ہو جانا قابلِ ستائش ہے۔ مرحوم اکبر شاہ خاں نجیب آبادی بجنور میں پیدا ہوئے۔ نجیب آباد کے مڈل سکول میں ٹیچر رہے کچھ مدت کے بعد پنجاب میں آئے اور مختلف ملازمتوں کے بعد دیال سنگھ کالج میں پروفیسر رہے کچھ عرصہ زمیندار کی ادارت بھی کی اور پھر اپنے وطن میں جا رہے۔ ۱۰ رمئی ۱۹۳۸ء میں وفات پائی۔ اس وقت تک بہت سی تاریخی کتابیں لکھ چکے تھے جن میں تاریخِ اسلام، آئینہ حقیقت نما اسلامی سپاہیانہ زندگی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ بیسویں صدی کے اوائل کے دوسرے مورخوں کی طرح اکبر شاہ خاں صاحب بھی تاریخ کے ساتھ فلسفۂ تاریخ کے شیدائیوں میں تھے۔ حافظہ بلا کا رکھتے تھے۔ بایں ہمہ اپنے معاصرین کی طرح ماخذ کے مفصّل حوالے دینے کے قائل نہ تھے جس سے عام قاری

توفائدے میں رہتا ہے لیکن کتاب کی صحت اور عدم صحت کا جائزہ لینا خاصا دشوار ہو جاتا ہے۔ تاریخ اسلام کا جائزہ لیتے وقت مختلف فرقوں کے عقائد سے ٹکراؤ ناگزیر ہو جاتا ہے اس لیے اکبر شاہ خاں صاحب نے میانہ روی کو اختیار کیا ہے اور ایسی تفصیلات سے پرہیز کیا ہے جو بقول ان کے "نااتفاقی پیدا کرنے یا جمعیت اسلامی کو نقصان پہنچانے کا موجب ہو سکے۔"

یہ ضروری نہیں ہے کہ سچائی ہمیشہ بین بین ہی واقع ہو۔ توازن قائم کرنے کی اس کوشش سے بعض جگہ مصنف کی تحریر میں تضاد بھی پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً خالد بن ولید کی معزولی کے سلسلے میں ایک طرف تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خالد بن ولید کا طرف دار بیان کیا گیا ہے اور ان کے بعض افعال کے محاسبے سے خلیفۂ اول کا اجتناب ظاہر کیا گیا ہے اور دوسری جگہ حضرت عمرؓ کے حال میں خالد بن ولید کی معزولی کو منشائے صدیقی کے عین مطابق ظاہر کیا گیا ہے۔

فاضل مؤرخ نے اپنی کتاب کے مقدمے میں جن فلسفیانہ خیالات کا اظہار فرمایا ہے انہیں بھی پوری طرح کتاب کی تفصیلات میں درست ثابت نہیں کیا۔ خاص کر تاریخ اسلام کا اہم مسئلہ یعنی خلافت مولانا مرحوم کے لیے پریشانی کا سبب رہا ہے اور اسے وہ جرأت مندی کے ساتھ سلجھا نہیں سکے۔ وہ ایک طرف تو خلفائے راشدین کے دَور کو صحیح اسلامی دور سمجھتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی شخصی حکومتوں کو بھی سراپا خیر خیال کرتے ہیں۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں :-

"وہ نظام حکومت جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے خلافت راشدہ میں اس کا نمونہ نظر آسکتا ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد مسلمانوں کی حکومت کا نظام عام طور پر شخصی و وراثتی سلطنت میں تبدیل ہو گیا لیکن تعلیم اسلام کی خوبیاں اور اسلامی اخلاق کے جلوے اکثر ملکوں اور اکثر خاندانوں کی حکومت میں نمایاں طور پر نظر آتے رہے اور مجموعی طور پر مسلمانوں نے جیسی حکومت کی ایسی اچھی اور قابل تعریف حکومت کسی دوسری قوم کو میسر نہیں آئی۔"

یہ نقطۂ نظر خلفائے راشدین اور خلفائے بنو امیہ و بنی عباس کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیتا ہے اب خلافت کے بارے میں مولانا کا نقطۂ نظر بھی ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں :-

"آنحضرت کے بعد کسی شخص کو خلیفہ بننا چاہیے تھا اس کا جواب صاف ہے کہ اس کو جو خلیفہ بن سکا یہ کہنا کہ جو خلیفہ بن گیا وہ خلیفہ بننے کا مستحق نہ تھا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا ہے کہ خلیفہ خود خدائے تعالیٰ نہیں بناتا یہ کہ خدا جس کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا اس کو نہیں بنا سکا اور انسانی تدبیروں سے نعوذ باللہ خدائے تعالیٰ شکست کھا گیا۔ بس ان لوگوں کی حالت جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت پر معترض ہیں اس شخص سے بہت مشابہ ہے جو کسی جج کی عدالت سے منشا کے خلاف فیصلہ سن کر کچہری سے نکلتا اور باہر آکر جج کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ . . . . . اسی طرح خدائے تعالیٰ نے اپنا فیصلہ خلافت کے متعلق صادر فرما دیا اور جس کو خلیفہ بنانا چاہا اس کو خلیفہ بنا دیا۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

"شخصی وراثتی سلطنت کی رسم بد جو خلافتِ راشدہ کے عہدِ مسعود میں مٹ چکی تھی مسلمانوں میں جاری ہو گئی اور اس رسم بد پر رضامند ہو جانے کا خمیازہ مسلمانوں کو بارہا بھگتنا پڑا۔ وراثت و ولیعہدی کی نامعقول اور ناستودہ رسم نے بسا اوقات ایسے ایسے نالائق و ناہنجار لوگوں کو مسلمانوں کا حکمران بنایا جن کو معمولی بھلے آدمیوں کی مجلس میں بھی جگہ نہیں ملنی چاہیے تھی۔"

ان بیانات کا مقابلہ کیا جائے تو منطقی مغالطہ واضح ہو جاتا ہے جو دلیل خلیفۂ اول کے لیے استعمال کی گئی ہے اس کی رُو سے ولید کی ولیعہدی بھی جائز قرار پاتی ہے۔ کیونکہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے تو پھر اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ دوسرے اقتدار پر چلنے والوں [illegible] قرار دیتے رہتے ہیں جبکہ انہیں اس بات کا بھی اقرار ہے کہ مشیّتِ ایزدی نے یہی چاہا اور قضا و قدر کے نوشتے پورے ہو کر رہے۔ دوسری جلد کے شروع میں بھی اسی خیال کا وہ اعادہ کرتے ہیں کہ "ہمیں ایمان رکھنا چاہیے جو کچھ ہوا مشیتِ ایزدی کے ماتحت ہوا اور یہی ہونا چاہیے کیونکہ ہمارے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے کہ ہم وقوع یافتہ اعمال و افعال کے نتائج پر اپنی نابودہ اور غیر واقع شدہ تجاویز کے نتائج کو یقینی طور پر ترجیح دے سکیں۔"

استدلال کا یہ طریق بڑا غلط اور غیر منطقی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے